

# نبی اکرمؐ کی خانگی زندگی

درس قرآن سورہ تحریم

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ  
 أَزْوَاجِكَ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ  
 أَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝ (التحریم  
 ۱: ۶۶-۲) اے نبی! تم کیوں اُس چیز کو حرام کرتے ہو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی  
 ہے؟ (کیا اس لیے کہ) تم اپنی بیویوں کی خوش نودی چاہتے ہو؟ اللہ معاف کرنے والا  
 اور رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ نے تم لوگوں کے لیے اپنی قسموں کی پابندی سے نکلنے کا  
 طریقہ مقرر کر دیا ہے۔ اللہ تمہارا مولیٰ ہے، اور وہی علیم و حکیم ہے۔

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی کے سلسلے میں  
 حضور کی أزواجِ مطہرات کے متعلق تین واقعات پر تبصرہ کیا ہے اور ان کے بارے میں احکام اور  
 ہدایات دی ہیں۔ یہ تین واقعات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آئے تھے۔ أزواجِ مطہرات  
 سے کچھ قصور سرزد ہوئے تھے جن پر اللہ تعالیٰ نے گرفت فرمائی۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی  
 ایک لغزش تھی جس پر اللہ تعالیٰ نے گرفت فرمائی اور اس سلسلے میں احکام دیے۔

واقعة تحریم

اوپر آغاز میں جو دو آیتیں درج کی گئی ہیں، اُن میں پہلا واقعہ یہ بیان ہو رہا ہے، فرمایا گیا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ۚ اے نبی! تم اپنے لیے اُس چیز کو کیوں حرام کرتے ہو جس کو اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے؟

اس سلسلے میں احادیث میں جو تفصیل آئی ہے وہ یہ ہے کہ اُم المؤمنین حضرت زینبؓ کے ہاں کہیں سے شہد آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد بہت پسند تھا، اور آپؐ شہد بڑی رغبت سے استعمال فرماتے تھے۔ چنانچہ آپؐ روزانہ عصر کے بعد حضرت زینبؓ کے ہاں تشریف لے جانے لگے۔ اس چیز پر دوسری ازواج مطہراتؓ کو کچھ رشک ہوا کہ اب حضورؐ روز زینبؓ کے ہاں جانے لگے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائیں تو ہم آپؐ سے کہیں گے آپؐ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ مغافیر ایک خاص قسم کے پھول تھے جو مدینہ کے اطراف میں پائے جاتے تھے جن سے شہد کی کھیاں رس چوتی تھیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ شہد کی مکھی جس علاقے میں ہوتی ہے وہ اسی علاقے کے پھولوں سے رس حاصل کرتی ہے، اور جس چیز سے بھی وہ رس حاصل کرتی ہے اُس کی بو یا مہک بھی اس کے شہد میں آ جاتی ہے۔ اس وجہ سے ازواج مطہراتؓ نے آپس میں یہ طے کیا کہ ہم نبی اکرمؐ سے کہیں گے کہ آپؐ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔

یہ بات معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منہ کی بو سے طبعاً سخت نفرت تھی۔ اس لیے آپؐ اپنا دہن مبارک اتنا صاف رکھتے تھے کہ وہ خوشبودار محسوس ہوتا تھا۔ یہ بھی ایک فطری بات ہے کہ ایک پاکیزہ مزاج آدمی کبھی اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ دوسرے لوگوں کو اس سے یہ شکایت ہو کہ اُس کے منہ سے یا کپڑوں سے یا جسم سے بو آتی ہے۔ پھر نبیؐ کا معاملہ تو بہت خاص ہے۔ نبیؐ تو کبھی اس بات کو پسند نہیں کر سکتا کہ اس کے متعلق کوئی شخص یہ شکایت کرے کہ اس کے پاس سے بو آتی ہے۔ نبیؐ کا کام تو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلانا ہوتا ہے۔ اس لیے ایک داعی کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے اندر کوئی ایسا عیب نہ ہو جس کی وجہ سے لوگ اس سے نفرت کریں، لوگوں کو اس کی کسی بات سے کراہت محسوس ہو، بلکہ اس کی ذات کو ہر لحاظ سے پُرکشش اور جاذب نظر ہونا چاہیے۔ لوگ اس کے قرب سے سکون حاصل کریں، بجائے اس کے کہ اس سے کراہت محسوس کریں۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نہایت صاف ستھرے رہتے تھے۔ دن میں کئی کئی مرتبہ مسواک کرتے۔ رات کو سوتے وقت بھی مسواک کرتے تھے۔ سو کر جب بھی اٹھتے تھے مسواک کرتے تھے

تا کہ منہ سے بوند آئے۔ ہمیشہ عطر استعمال فرماتے تھے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ کے کپڑوں سے عطر کی خوشبو نہ آئے۔ اس لیے جب ازواجِ مطہرات نے وہ بات کہی تو حضورؐ کو شک پیدا ہوا کہ کہیں واقعی میرے منہ سے بوتو نہیں آتی۔ چنانچہ آپ نے قسم کھائی کہ اب میں یہ شہد استعمال نہیں کروں گا۔ آپ کے اس عزم پر اللہ تعالیٰ نے گرفت فرمائی کہ آپ اُس چیز کو اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہیں جس کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے؟

بظاہر یہ ایک بڑی معمولی سی بات ہے کہ کوئی شخص ایک چیز کو پسند نہ کرے اور یہ طے کرے کہ آئندہ وہ اسے استعمال نہیں کرے گا، لیکن عام آدمی کی بات الگ ہے، اور اللہ کے رسولؐ کی بات الگ ہے۔ اللہ کا رسول اگر کسی چیز کو چھوڑ دے اور فیصلہ کر لے کہ اب مجھے اس کو استعمال نہیں کرنا ہے تو وہ چیز صرف اللہ کے رسول ہی کے لیے نہیں، پوری اُمت کے لیے حرام ہو جائے گی۔ پوری اُمت اس کا استعمال ترک کر دے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حلال و حرام کے اختیارات کا ملّا اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں۔ اپنے رسول کی طرف بھی منتقل نہیں کیے ہیں۔ رسول کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ وہ بطور خود کسی چیز کو حرام یا حلال کر دے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس بات پر گرفت فرمائی کہ یہ کام آپ نے اپنے اختیار سے باہر جا کر کیا ہے۔ کوئی عام آدمی یہ کام کرتا تو کوئی بات نہیں تھی۔ لیکن آپ نے یہ کیا ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قانونِ الہی میں ترمیم ہو جائے گی۔ جو چیز قانونِ الہی میں حلال ہے وہ آپ کی وجہ سے حرام ہو جائے گی۔ کم از کم اس سے اُمت کے اندر یہ خیال ضرور پھیل جائے گا کہ اور کچھ نہیں تو یہ چیز مکروہ ضرور ہے۔ اسی وجہ سے حضورؐ نے اسے ترک فرمایا ہے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم کیوں اُس چیز کو حرام کرتے ہو جس کو اللہ نے حلال کیا ہے؟ پھر فرمایا: کیا تم اپنی بیویوں کی خوشی چاہتے ہو؟ اب اس میں اشارہ بیویوں کے قصور کی طرف بھی ہے کہ انہوں نے اپنے ایک ذاتی جذبے کی بنا پر، جو حضورؐ کی ایک دوسری بیوی سے رشک کا جذبہ تھا، اللہ کے رسولؐ کے دل میں ایک ایسی بات بٹھائی جس کی وجہ سے انہوں نے ایک حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: تَبْتَغِي مَرْضَاتِ اَزْوَاجِكَ ط ”تم اپنی بیویوں کی خوشی چاہتے ہو؟“ پھر فرمایا: وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ”اللہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔“

اس موقع پر اس ارشاد کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ تم نے کوئی ایسا گناہ نہیں کیا ہے جس پر کوئی سزا ہو۔ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔ اس نے تمہاری اس لغزش سے درگزر فرمایا ہے۔ دوسرے اس سے خود بخود یہ معنی نکلتے ہیں کہ تمہیں بیویوں کی خوشی چاہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ جس ہستی کی مغفرت اور رحمت تمہیں درکار ہے وہ تو اللہ ہے۔ تمہارے لیے بیویوں کی خوش نودی اہمیت نہیں رکھتی بلکہ صرف اللہ کی خوش نودی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ تم اللہ ہی کی مغفرت اور رحمت کے امیدوار ہو۔

اس کے بعد فرمایا کہ: **فَذَرَّ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ**، ”اللہ نے تم لوگوں کے لیے اپنی قسموں کی پابندی سے نکلنے کا طریقہ مقرر کر دیا ہے“۔ اللہ نے تمہارے لیے فرض کیا، یا یہ طریقہ مقرر کیا ہے (دونوں معنی مراد ہیں)۔ ایک یہ کہ ایک آدمی اگر اپنی قسم کی پابندی سے نکلنا چاہے تو اس کے لیے قرآن مجید میں طریقہ بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے۔

دوسرے معنی اس آیت کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کر دیا ہے کہ تم ایسی قسموں کو توڑ دو اور کفارہ ادا کرو۔ اس سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ اگر آدمی کسی ناجائز کام کی قسم کھا بیٹھے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اس قسم کو توڑ دے کیونکہ اس کی پابندی کرنا غلط کام ہے۔ اگر اس نے جائز کام کی قسم کھائی ہو تو وہ اس کی پابندی کرے لیکن اگر کسی ناجائز کام کی قسم کھالی ہو تو اس کے لیے لازم ہے کہ اس کو توڑے اور اس کا کفارہ ادا کرے۔

بعض احادیث میں آیا ہے کہ غلط قسم کا توڑنا ہی اس کا کفارہ ہے لیکن دوسری احادیث میں ہے کہ قسم کو توڑ دیا جائے اور اس کا کفارہ بھی ادا کیا جائے۔ فقہاء عموماً اسی بات کے قائل ہیں۔ پھر فرمایا: **وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ**، **وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ**، ”اللہ تمہارا مولا ہے اور وہی علیم و حکیم ہے“۔ اس مقام پر اللہ کی دو صفتوں کا ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حلال و حرام کی جو صورتیں مقرر کی ہیں وہ علم اور حکمت کی بنا پر کی ہیں۔ جس چیز کو حلال کیا ہے علم کی بنا پر کیا ہے، جس چیز کو حرام کیا ہے علم کی بنا پر حرام ہے۔ اس کی تحلیل اور تحریم دونوں کے اندر اس کی حکمت کام کر رہی ہے کیونکہ اس کا ہر فعل علم اور حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے مقرر کیے ہوئے حلال و حرام میں تغیر و تبدل کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے۔ اگر کسی قسم کا تغیر و تبدل ہوگا تو وہ علم اور حکمت کے خلاف ہوگا۔

### افشامے راز

یہ پہلا واقعہ تھا۔ اس کے بعد دوسرا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَإِذْ أَسْرَ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضُهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ (۳:۶۶) اور یہ معاملہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ نبیؐ نے ایک بات اپنی ایک بیوی سے راز میں کہی تھی۔ پھر جب اُس بیوی نے (کسی اور پر) وہ راز ظاہر کر دیا، اور اللہ نے نبیؐ کو اس (افشامے راز) کی اطلاع دے دی تو نبیؐ نے اس پر کسی حد تک (اُس بیوی کو) خبردار کیا اور کسی حد تک اُس سے درگزر کیا۔ پھر جب نبیؐ نے اسے (افشامے راز کی) یہ بات بتائی تو اس نے پوچھا: آپ کو اس کی کس نے خبر دی؟ نبیؐ نے کہا: ”مجھے اُس نے خبر دی ہے جو سب کچھ جانتا ہے اور خوب باخبر ہے۔“

اس واقعے میں بہت سے پہلو ہیں جن کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

پہلی بات غور طلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس بات کا ذکر کس غرض سے کیا گیا ہے۔ غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایک بیوی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے شوہر کا راز داں بنایا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا: هُنَّ لِبَاسٍ لَّكُمْ وَ أَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (البقرہ ۲: ۱۸۷)، ”یعنی تمہارا اور تمہاری بیویوں کا وہ تعلق ہے جو جسم اور لباس کا ہوتا ہے۔“ سامنے کی بات ہے کہ لباس سے جسم چھپا ہوا نہیں ہوتا اور جسم سے لباس چھپا ہوا نہیں ہوتا۔ بیوی کا یہ کام ہے کہ اگر اس کا شوہر اس سے راز میں کوئی بات کہے تو اسے چاہیے کہ وہ اس راز کو اپنے تک رکھے، دوسروں کے سامنے اس کو افشا کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کا مقام عام لوگوں کی بیویوں کے مقام سے بلند تر ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام تک کسی کی رسائی نہیں ہے۔ پھر اُمت میں بھی جو لوگ کسی ذمہ داری کے منصب پر ہوں، ان کی بیویوں کا کام عام بیویوں کی بدولت بدرجہ اولیٰ یہ ہے کہ اُن کے شوہروں کے ذریعے سے جو باتیں اُن کے علم میں آئیں وہ دوسروں کے سامنے اُن کو نہ کھولتی پھریں، کیوں کہ جس شخص کا منصب جتنا زیادہ

ذمہ داری کا ہوا گراس کے گھر سے راز افشا ہونے لگیں اور وہ غیر متعلق لوگوں تک پہنچ جائیں تو اس حرکت کی وجہ سے پوری قوم کی قوم نقصان اٹھا سکتی ہے، ہلاکت کے خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ دنیا میں بہت سے بگاڑ اس وجہ سے پیدا ہوئے کہ عورتوں کے علم میں جو راز اُن کے ذمہ دار شوہروں کی طرف سے پہنچے تھے انھوں نے ان کو عام لوگوں میں پھیلا دیا اور بات دشمنوں کے ہاتھ لگ گئی۔ چنانچہ پوری قوم پر اس کی وجہ سے تباہی آئی۔ اس طرح کے واقعات دنیا میں رونما ہوتے رہے ہیں۔

تیسرا پہلو ازواجِ مطہرات کو اس بات کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ تم اپنے منصب اور مقام کو سمجھو اور دیکھو کہ تم کس ہستی کی بیوی ہو۔ کتنے عظیم الشان منصب کے حامل انسان کی تم رفیقہ زندگی ہو۔ ایسے عظیم الشان منصب کے حامل انسان کی بیویوں کا یہ کام نہیں ہے کہ اگر ان کے علم میں نبیؐ کی طرف سے کوئی راز کی بات آئے، تو وہ اسے دنیا کے سامنے پھیلا دیں۔ اس وجہ سے اس واقعے پر گرفت کی گئی اور قرآن مجید میں اس کا ذکر کیا گیا۔

ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی کہ آپؐ کی بیوی نے وہ راز کھول دیا ہے جس کی حفاظت اس کی ذمہ داری تھی، تو اس کا ذکر قرآن مجید میں کہیں نہیں ہے کہ وہ راز کی بات کیا تھی۔ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں آئی ہے جس میں یہ کہا گیا ہو کہ ”اے نبیؐ! تمھاری بیوی نے یہ راز کھول دیا ہے“۔ قرآن مجید میں اس بات کو کھول دینے پر ان کے قصور کے اوپر تو گرفت کی گئی لیکن یہ کہیں نہیں بتایا گیا ہے کہ ”اے نبیؐ! تمھاری بیوی نے یہ بات کھول دی ہے“۔ یہ آیت اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی آتی تھی۔ جو لوگ یہ لغو بات کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کے علاوہ اور کوئی وحی نہیں آتی تھی، وہ اس بات کا کیا جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ، ”جب رسولؐ نے اپنی بیوی کو خبردار کیا کہ تم نے یہ راز فاش کر دیا ہے“، اور قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَذَا، ”اُس نے پوچھا کہ آپ کو کس نے بتایا ہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے؟“ قرآن کہتا ہے: قَالَ نَبَّأَنِي الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ، آپؐ نے فرمایا کہ مجھے علیم وخبیر نے اس کی خبر دی ہے۔“

اب وہ خبر کب دی گئی۔۔۔ اس کا کوئی ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے۔ صرف خبر دینے پر جو گرفت کی گئی ہے اسی کا ذکر قرآن مجید میں ہے، جب کہ ظاہر ہے کہ وہ خبر بہر حال وحی کے ذریعے

سے دی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہی نے آ کر یہ کہا ہوگا کہ تمہاری بیوی سے یہ قصور سرزد ہوا ہے۔ چنانچہ اس پر قرآن مجید میں گرفت کی گئی۔ یہ اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ حضورؐ پر قرآن کے علاوہ بھی وحی آتی تھی۔ اس کے علاوہ بھی قرآن مجید میں بہت سی مثالیں موجود ہیں لیکن یہ آیت اس معاملے میں نہایت صریح ہے۔

اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی دیکھیے کہ قرآن مجید میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں آیا کہ آخر وہ راز کی بات کیا تھی۔ معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں غیر ضروری تفصیلات بیان نہیں کی جاتیں۔ اگر اس بات کا ذکر کرنا امت کے لیے مفید ہوتا تو ضرور کر دیا جاتا۔ لیکن دراصل امت کو یہ بتانا مقصود تھا کہ جو شخص ذمہ داری کے جتنے بڑے منصب پر ہو اس کی بیوی کو اتنا ہی زیادہ راز دار اور ذمہ دار ہونا چاہیے۔ یہ بتانا بھی مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسولؐ کو وہ خبریں اور معلومات بھی دی جاتی ہیں جو عام انسانوں کو نہیں دی جاتیں اور جن کے جاننے کا کوئی ذریعہ عام انسانوں کے پاس نہیں ہوتا۔ اس راز کی بات کے ضمن میں مختلف محدثین اور مفسرین نے یہ قیاس کیا ہے کہ فلاں بات ہوگی یا فلاں بات ہو سکتی ہے۔ لیکن میرے خیال میں جس راز کا ذکر کرنا اللہ تعالیٰ نے پسند نہیں کیا ہے اس کو ٹٹولنا بھی ایک قصور ہے، ایک خطا ہے۔ اس وجہ سے کہ ازواج مطہراتؓ پر جب اس معاملے میں گرفت کی گئی کہ انہوں نے وہ بات عام کر دی جو نہیں کرنی چاہیے تھی تو اب آپؐ اسی راز کی بات کو تلاش کرنے اور ٹٹولنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب کسی خاص حکمت کے تحت اس بات کو نہیں کھولا، تو اس کو کھول دینے کے بعد اس پر گرفت کرنا بے معنی ہو جاتا (واللہ اعلم بالصواب)۔ بہر حال کوئی ایسی بات ہوگی جو امت کی فلاح سے تعلق رکھتی ہوگی۔ اسی طرح یہ بات بھی ظاہر ہے کہ نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ذاتی راز تو ایسا نہیں تھا جو انہوں نے چپکے سے اپنی بیوی سے کہا ہو۔ اگر نعوذ باللہ رسول اللہ کا کوئی چھپا ہوا عیب ہوتا تو پہلے تو بیویوں ہی کا ایمان ختم ہو جاتا۔

پھر آپؐ یہ بھی دیکھیے کہ اگر کوئی شخص عیب دار ہو تو اس کی بیوی اس کا ساتھ تو دے سکتی ہے لیکن اس کی معتقد نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ نعوذ باللہ وہ راز کی بات کوئی عیب کی بات تھی جو آپؐ نے چھپا کر اپنی بیوی سے بیان کی تھی۔ ہرگز نہیں! بلکہ وہ یقیناً امت کے مفاد و مصلحت کا کوئی اہم معاملہ تھا جس کا ذکر کسی مصلحت سے آپؐ نے اپنی کسی بیوی سے کیا ہوگا لیکن اس نے

اس کو دوسروں پر ظاہر کر دیا جو مناسب نہ تھا۔

اس کے ساتھ کچھ اور مسائل بھی ہیں جن کا ذکر میں اس بحث کے خاتمے پر کروں گا۔

أمہات المؤمنینؑ کے رویے پر توجہ

اب اس کے بعد تیسرا واقعہ ہے۔ فرمایا گیا:

إِنْ تَوْبًا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَعَتْ قُلُوبُكُمْ ۚ وَإِنْ تَطَهَّرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ  
مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ ۝ عَسَى  
رَبُّهُ أَنْ يُلَاقَكُمْ أَنْ يُبَدِّلَهُ أَرْوَاجًا خَيْرًا مِمَّنْ مَسَلْتُمْ مُؤْمِنَاتٍ فَمُنِّتٍ  
تَنبِتِ غِلْدَاتٍ سَنَحِلَّتِ لَكُمْ ۚ وَابْتِكَارًا ۝ (۲۶: ۴-۵)، اگر تم دونوں اللہ سے  
توبہ کرتی ہو (تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے) کیونکہ تمہارے دل سیدھی راہ سے ہٹ گئے  
ہیں، اور اگر نبیؐ کے مقابلے میں تم نے باہم جھگڑہ بندی کی تو جان رکھو کہ اللہ اُس کا مولیٰ  
ہے اور اُس کے بعد جبریلؑ اور تمام صالح اہل ایمان اور سب ملائکہ اس کے ساتھی اور  
مددگار ہیں۔ بعید نہیں کہ اگر نبیؐ تم سب بیویوں کو طلاق دے دے تو اللہ اُسے ایسی  
بیویاں تمہارے بدلے میں عطا فرما دے جو تم سے بہتر ہوں، سچی مسلمان، باایمان،  
اطاعت گزار، توبہ گزار، عبادت گزار، اور روزہ دار، خواہ شوہر دیدہ ہوں یا باکرہ۔

پہلے یہاں خاص طور پر دو بیویوں کے اوپر گرفت کی گئی ہے اور پھر آگے چل کر تمام ازواج  
کا ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل قصور تو دو بیویوں کا تھا لیکن باقی بھی کسی نہ کسی حد تک  
اس میں شریک تھیں، اس لیے ان کو بھی ان آیات میں مخاطب کیا گیا۔

احادیث سے اس معاملے کی تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ زمانہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے  
لیے انتہائی معاشی تنگی کا تھا اور آپؐ کے مالی حالات اس وقت انتہائی خراب تھے۔ جو سرمایہ تھا وہ  
زیادہ تر مکہ معظمہ میں کار دعوت میں خرچ ہو چکا تھا اور جو کچھ موجود تھا وہ چھوڑ چھاڑ کر صرف تن کے  
کپڑوں میں مدینہ تشریف لے آئے تھے۔ پھر مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد آپؐ کی زندگی کا  
ایک ایک لمحہ دین کے کام میں صرف ہو رہا تھا۔ اتنی فرصت نہیں تھی کہ اپنا کوئی کاروبار کر کے اپنی  
آمدن کا کوئی ذریعہ پیدا فرماتے، اور اس کے ساتھ نبی کا یہ مقام بھی نہیں ہے کہ وہ کسی سے مانگے۔



اس وجہ سے اس زمانے میں حضورؐ کے اوپر ایسی تنگی کا وقت تھا کہ کئی کئی روز تک آپؐ کے گھر میں چولہا نہیں سلگتا تھا۔ یہ حالات ازواجِ مطہراتؓ خود بیان کرتی ہیں۔ مزید برآں صورتِ حال یہ تھی کہ جن دینی مصلحتوں کی خاطر آپؐ نے پے در پے کئی شادیاں کیں، وہ بھی اُمت ہی کی ضروریات کی وجہ سے کیں۔ کوئی اپنی ذاتی خواہش اس کی محرک نہیں تھی۔

ظاہر بات ہے کہ ذاتی خواہش ۵۵ برس کی عمر میں کہاں ہو سکتی ہے۔ جس شخص نے ۲۵ سال کی عمر میں ۴۰ برس کی عورت سے شادی کی ہو، اور جب تک وہ زندہ رہیں تب تک وہی تنہا آپؐ کی بیوی تھیں۔ ایسے شخص کے بارے میں یہ گمان کرنا کہ ۵۵ برس کی عمر میں جا کر اس کے اندر شادی کرنے کی خواہش جاگ اٹھی ہو، اور وہ بھی اس مفلسی کی حالت میں۔ لہذا یہ بات کسی طرح قابلِ تصور نہیں ہو سکتی۔ یہ تو فقط اُمت ہی کے بعض مصالح کا تقاضا تھا جس کی خاطر آپؐ نے متعدد شادیاں کیں۔

حال یہ تھا کہ مدینہ منورہ آ کر کوئی پختہ عمارت بننے کی نوبت نہیں آئی تھی جن میں ازواجِ مطہراتؓ قیام پذیر ہوتیں۔ جس وقت تک مسجد نبویؐ کی توسیع کی ضرورت پیش نہیں آئی اُس وقت تک ازواجِ مطہراتؓ کے بالکل سادہ سے حجرے مسجد نبویؐ کی دیوار کے ساتھ متصل بنائے گئے تھے۔ بعد کے دور میں لوگ جا جا کر دیکھا کرتے تھے کہ آج ہم کن محلات میں رہتے ہیں، اور جس ہستی کی بدولت یہ دولت ہمیں نصیب ہوئی ہے وہ ہستی خود کہاں رہتی تھی اور ازواجِ مطہرات کیسے زندگی بسر کرتی تھیں۔ ایک مدت تک یہی صورتِ حال رہی۔ اس صورتِ حال میں ازواجِ مطہراتؓ آپؐ کی رفاقت میں تھیں۔

فطری طور پر ایک عورت چاہتی ہے کہ اس کے پاس زیور ہو، سامانِ آرائش ہو، عمدہ کپڑے ہوں۔ آخر کار مدینہ طیبہ ہی میں کھاتے پیتے لوگ بھی موجود تھے۔ وہ ان کی بیویوں کو بھی دیکھتی تھیں۔ وہ قوم کے سردار کی بیویاں ہوتے ہوئے اپنی حالت کو بھی دیکھتی تھیں۔ وہ دیکھتی تھیں کہ ایک طرف اُن کے واجب الاحترام شوہر کا حکم لوگوں پر چل رہا ہے اور ساری کی ساری قوم اُن کی مطیع فرمان ہے، اور اس قوم میں ایسے ایسے کھاتے پیتے لوگ ہیں کہ ان کی بیویاں اچھے سے اچھے کپڑے پہنتی ہیں، اور دوسری طرف قوم کے سردار کی بیویوں کا حال یہ تھا کہ اپنے کپڑوں کو بیوند لگائے بیٹھی ہیں۔ اس لیے ان کے اندر اپنی محرومی کا احساس ابھرنا کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔

ان کا بے صبر ہو جانا عین فطری امر تھا۔ ان حالات میں وہ حضورؐ سے نفقے کا مطالبہ کرتی تھیں اور آپؐ کو تنگ کرتی تھیں۔ لیکن یہی بات اللہ کے رسولؐ کے لیے فطری طور پر پریشانی اور اذیت کا باعث بنتی تھی اور اس کا بار آپؐ کی طبیعت پر پڑتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پیش نظر آیات میں ازواجِ مطہرات کے اس رویے پر گرفت فرمائی۔

اس معاملے کا ذکر سورہٴ احزاب میں بھی کیا گیا ہے۔ وہاں بھی ازواجِ مطہراتؓ کو مخاطب کر کے کہا گیا تھا کہ اگر تم کو دنیا چاہیے تو نبیؐ کو طلاق دے کر آزاد کر دیتا ہے، لیکن اگر تم نبیؐ کا ساتھ دینا چاہتی ہو تو صبر سے کام لو اور جو مقام تم کو حاصل ہے اس مقام کے تقاضوں کو سمجھو! یہ تھا ازواجِ مطہرات کا وہ قصور جس کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے یہ کہنے کا اختیار دیا گیا کہ چاہو تو نبیؐ کی رفاقت کا فیصلہ کرو اور جو کچھ تم کو دیا جاتا ہے اسے قبول کرو، ورنہ چاہو تو تمہیں طلاق دے کر آزاد کر دیا جائے۔ دوسرا قصور (جو اوپر مذکور ہوا) خاص طور پر دو ازواجِ مطہراتؓ کا تھا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خواتین حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ تھیں۔

احادیث میں یہ بات آتی ہے کہ حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کچھ زیادہ جبری ہو گئی تھیں۔ بعض اوقات گفتگو کا نامناسب انداز اختیار کر بیٹھتی تھیں۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی حضرت حفصہؓ کو اس طرز عمل پر بُری طرح ڈانٹا۔ پھر یہ بھی ہوا کہ ازواجِ مطہراتؓ کے اس رویے سے پریشان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایلا کر لیا۔ ایلاء سے مراد تعلقات قائم نہ رکھنے کی قسم کھا لینا ہے جس کے احکام سورہٴ بقرہ میں آئے ہیں۔ (تفہیم القرآن، ج ۱، ص ۱۷۱-۱۷۳)

پہلے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ کو سختی سے ڈانٹا کہ اگر تم توبہ کرو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے کیونکہ تمہارے دل راہِ راست سے ہٹ گئے ہیں۔ یعنی اس میں شک نہیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہو، وہ تمہارے ساتھ محبت کرتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم رسولؐ کے مقابلے میں گستاخ ہو جاؤ۔ یہاں تک فرمایا کہ صرف یہ نہیں کہ تمہاری زبانیں خراب ہو گئی ہیں بلکہ فرمایا کہ تمہارے دل خراب ہو گئے ہیں۔ تمہارے دلوں میں یہ خرابی پیدا ہو گئی ہے کہ تم رسولؐ کے مقابلے میں جرات کرتی ہو۔ ارشاد فرمایا گیا: وَإِنْ تَطَهَّرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ

هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ ۝ (۴:۶۶)، یعنی اگر تم دونوں نے رسولؐ کے مقابلے میں باہم جتھے بندی کی تو یہ سمجھ لو کہ رسولؐ کا مولیٰ اللہ ہے، تمام مومنین رسولؐ کے ساتھ ہیں اور سارے فرشتے رسولؐ کے ساتھ ہیں۔ تم مقابلہ صرف رسولؐ کا نہیں کرو گی بلکہ تمہارا مقابلہ ساری کائنات کے ساتھ ہوگا۔ جس ہستی کے ساتھ اللہ، سارے مومنین اور سارے فرشتے ہیں، کیا تم اس کے ساتھ مقابلہ کرو گی؟

اس کے بعد تمام ازواجِ مطہراتؓ سے خطاب کر کے فرمایا: عَسَىٰ رَبُّهُ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُبَدِّلَہٗ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكَنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تَتَّبِعِ عِبٰدٰتٍ سَتَّحٰتٍ تَتَّبِعِ وَاَبْكَارًا ۝ (۵:۶۶)، ”بعید نہیں کہ اگر نبیؐ تم سب بیویوں کو طلاق دے دے تو اللہ اُسے ایسی بیویاں تمہارے بدلے میں عطا فرما دے جو تم سے بہتر ہوں، سچی مسلمان، باایمان، اطاعت گزار، توبہ گزار، عبادت گزار، اور روزہ دار، خواہ شوہر دیدہ ہوں یا باکرہ“۔ دیکھیے اوپر تثنیہ کا صیغہ تھا جس میں دو ازواجِ مخاطب تھیں لیکن یہاں منکن جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے جس میں سب ازواجِ مطہراتؓ شامل ہو جاتی ہیں۔ ان کو مخاطب کر کے کہا گیا کہ اگر ہمارا رسولؐ تم کو طلاق دے دے تو بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اُس کو تم سے بہتر بیویاں دے دے۔ وہ بہتر بیویاں کیسی ہوں گی؟

پہلی بات فرمائی کہ وہ مسلمات اور مومنات ہوں گی۔ جب مسلم کا لفظ مومن کے علاوہ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مراد عملاً اطاعت کرنے والے شخص کے ہوتے ہیں۔ یہاں اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ سچے دل سے ایمان لانے والی اور سچے دل سے اطاعت کرنے والی ہوں گی۔ وہ ایمان کے تقاضوں کو صحیح معنوں میں پورا کرنے والی ہوں گی۔

اس کے بعد فرمایا: وہ قٰنِتٰتٍ ہوں گی، یعنی اطاعت گزار ہوں گی۔ اس کے ایک معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ کی اطاعت گزار ہوں گی اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ اپنے شوہر کی اطاعت کرنے والی ہوں گی۔ پھر فرمایا: وہ تَتَّبِعِ ہوں گی۔ تابع کے معنی ایسے شخص کے ہیں کہ جب کبھی اس سے قصور سرزد ہو جائے، کوئی لغزش ہو جائے تو وہ اس پر نادم ہونے والا اور اس پر اپنے رب سے معافی مانگنے والا ہوتا ہے۔ گویا ان بیویوں کی یہ صفت ہوگی کہ وہ توبہ کرنے والی ہوں گی۔

مزید فرمایا: وہ عِبِدٰتٍ ہوں گی، یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت گزار ہوں گی۔ جو شخص اللہ تعالیٰ

کا عبادت گزار ہوتا ہے اسی میں تائب ہونے کی صفت ہوتی ہے۔ وہ ہر وقت اللہ کے حضور توبہ کرنے والا ہوتا ہے۔ اسی کی یہ صفت ہوتی ہے کہ وہ ایمان کے تقاضے پورے کرنے والا ہوتا ہے۔ اس کا ایمان زندہ و بیدار ہوتا ہے۔ پھر فرمایا: وہ سنِّحَتْ ہوں گی۔

مفسرین نے سنِّحَتْ کے دو معنی بیان کیے ہیں۔ ایک معنی ہیں روزہ رکھنے والی اور دوسرے معنی ہیں کہ وہ رسولؐ کے ساتھ ساتھ زندگی کا عرصہ طے کرنے والی ہوں۔ یعنی وہ رسولؐ کا مکمل ساتھ دینے والی ہوں گی۔ رسولؐ جن حالات میں بھی ہوں گے وہ انہی حالات میں اس کے ساتھ رہنے پر راضی ہوں گی۔ وہ انہی حالات کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے والی ہوں گی۔

ان کی مزید صفت یہ بیان کی گئی کہ: نَسَبَتْ وَأَبْكَرًا، یعنی شادی شدہ بھی اور باکرہ بھی۔ ان بیویوں کی یہ ساری صفات بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ کو ہر قسم کی عورتیں دینے پر قادر ہے۔

تو بین صحابہؓ: چند غور طلب پہلو

اب میں ان تین واقعات کے متعلق مختصر طور پر چند باتیں کہنا چاہتا ہوں:

قرآن مجید میں جن ہستیوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ اُمہات المؤمنین ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں۔ ان کا مقام صحابہ کرامؓ سے بھی بڑا ہے۔ کیوں کہ صحابہ میں سے کسی کو بھی اُمّت کا باپ نہیں کہا گیا، جب کہ ازواجِ مطہراتؓ کو اُمّت کی مائیں قرار دیا گیا۔ کیا ان واقعات کا یہاں ذکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کا یہ منشا ہو سکتا ہے، اور کیا ہم اس بات کا تصور کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ازواجِ مطہراتؓ کا کوئی مقام اور احترام اُمّت کے دلوں میں نہ رہے۔ وہی خدا جو اُن کو اُمہات المؤمنین قرار دے رہا ہے، وہی خدا ان کے احترام کا حکم دے رہا ہے۔ وہی خدا یہاں اُن کے قصور بیان کر رہا ہے اور مسلسل ایک ہی سلسلہ کلام میں ان کے تین قصور بیان کرتا ہے تو کیا اس کا مدعا یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود یہ چاہتا ہے کہ ان کا احترام اہل ایمان کے دلوں میں نہ رہے۔ پھر ظاہر بات ہے کہ اگر ازواجِ مطہراتؓ ہی کا احترام لوگوں کے دلوں سے اُٹھ جائے تو صحابہ کرامؓ کا کیا احترام باقی رہ سکتا ہے؟

پھر یہ بات بھی معلوم ہے کہ قرآن مجید میں صحابہ کرامؓ کی بعض لغزشوں پر بھی کئی جگہ

گرفت کی گئی ہے، مثلاً سورہ جمعہ کی آخری آیت یہ ہے:

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا بِانْفِصَامًا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ط (الجمعه ۶۲: ۱۱)،  
جب انھوں نے دیکھا کہ لہو و لعب ہو رہا ہے، تجارتی قافلہ آ رہا ہے اور لوگ کاروبار  
کر رہے ہیں تو وہ تمہیں اپنی جگہ کھڑا چھوڑ کر اس کی طرف چلے گئے۔

یہ واقعہ مدنی زندگی کے آغاز میں پیش آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز کے لیے  
خطبہ دے رہے ہیں۔ اس خطبے کے دوران میں مسجد کے باہر سے ڈھول تاشوں کی آواز آتی ہے  
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تجارت ہو رہی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ دیتے ہوئے چھوڑ کر چلے  
جاتے ہیں۔ اس بات کا ذکر قرآن مجید میں سورہ جمعہ میں کیا گیا ہے۔ کیا قرآن میں یہ واقعہ بیان  
کرنے سے اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ قیامت تک لوگوں کے دلوں میں صحابہ کرام کا احترام اٹھ جائے  
کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ کا خطبہ دیتے ہوئے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ یہاں ان جانے  
والوں کی تعداد بیان نہیں کی گئی لیکن ان کے لیے جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا  
ہے کہ شاید سارے صحابہ اٹھ کر چلے گئے ہوں گے۔

یہ تو احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ۱۲ کی تعداد باقی رہ گئی تھی لیکن قرآن مجید سے یہ  
معلوم نہیں ہوتا کہ کچھ لوگ ٹھہر بھی گئے تھے۔ اب سوچئے کہ کیا اللہ تعالیٰ کا منشا ان ساری چیزوں کا  
ذکر کرنے سے یہ ہے کہ ان ہستیوں کا کوئی احترام لوگوں کے دلوں میں باقی نہ رہے؟

دراصل قرآن مجید میں ان چیزوں کا ذکر کرنے کی غرض یہ ہے کہ لوگ ان بزرگوں کو خدایا  
خدا کی اولاد قرار نہ دے لیں، جیسا کہ پچھلے انبیاء کی اُمتوں نے اپنے انبیاء کو خدا کی اولاد قرار دیا  
یہاں تک کہ اس سے بھی آگے بڑھ کر بنی اسرائیل نے خود اپنے آپ کو Children of God  
(خدا کی اولاد) قرار دے لیا۔ لیکن صحابہ کرامؓ نہ خدا تھے نہ وہ خدایا خدا کی اولاد، نہ خداؤں کی قسم کی  
کوئی مخلوق تھے۔ وہ انسان تھے، ان کی تربیت اللہ تعالیٰ نے کی اور اللہ کے رسولؐ نے ان کا تزکیہ  
فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اعلیٰ درجے کی خدمات کے بارے میں خود فرمایا: رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ  
وَرَضُوا عَنْهُ، ”اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہو گئے“۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اعلیٰ  
درجے کی خدمات کی خود قرآن مجید میں تعریف کی ہے لیکن ان کے مقام اور مرتبے کی بلندی کے باوجود

اُن سے جو قصور سرزد ہوئے اُن پر گرفت کی گئی، اور جیسا قصور تھا ویسی ہی سخت گرفت فرمائی گئی۔

جنگِ اُحد میں جن لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑی ٹیلے پر تیرا انداز بنا کر بٹھایا تھا تاکہ اس جانب سے دشمن حملہ نہ کرنے پائے، اُن لوگوں نے جب دیکھا کہ کفار کو شکست ہوگئی ہے اور مالِ غنیمت لُٹ رہا ہے تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کے باوجود کہ اگر تم دیکھو کہ پرندے ہماری بوٹیاں نوچ کر لے جا رہے ہیں تب بھی تم اپنی جگہ سے نہ ہلنا، مگر وہ اس صریح ہدایت کے باوجود اس حکم کو نظر انداز کر گئے اور کفار کو شکست ہوتے دیکھ کر مالِ غنیمت لُٹنے میں لگ گئے۔ اسی وقت کفار نے اُحد کے پیچھے سے حملہ کر کے جنگ کی صورتِ حال یک لخت بدل ڈالی۔

قرآن مجید میں اس واقعے پر سخت گرفت کی گئی ہے اور ان کو بتایا گیا کہ انھوں نے کیا غلطی کی ہے۔ تو صحابہ کرامؓ انسان تھے، ان سے بشری تقاضے سے قصور سرزد ہوئے اور جو قصور سرزد ہوا، قرآن مجید میں ان کا ذکر کر کے ان پر گرفت کی گئی ہے لیکن اس کے باوجود قرآن کا منشاء یہ نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے کہ ان کی ان غلطیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے لوگوں کے دلوں سے ان کا احترام اُٹھ جائے۔

اس تفصیل سے اُصولی بات یہ سامنے آئی کہ صحابہ کرامؓ کا اُمتا ہی احترام کیا جائے گا جتنا اللہ تعالیٰ خود چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اَز و اِجِ مطہراتؓ کے قصوروں پر گرفت فرمائی ہے اور مسلسل ان کے تین قصور گنوائے گئے، اور اس کے باوجود وہ اَز و اِجِ مطہراتؓ ہیں، اُمہات المؤمنینؓ ہیں اور ہمارے لیے حد درجہ واجب الاحترام ہیں۔ ان کے قصوروں کا ذکر کرنے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہم اُن کی توہین کر رہے ہیں۔ ایسے واقعات کا ذکر کرنے سے دراصل یہ سمجھانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دین بے لاگ ہے۔ غلطی ہے تو غلطی ہے، صحیح ہے تو صحیح ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی لاگ پیٹ نہیں ہے۔ اگر واقعتاً کسی سے کوئی قصور ہوا ہے تو آپ خواہ اس کی کچھ بھی تاویلیں کریں کہ یہ قصور نہیں تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کوئی کام غلط ہے، تو غلط ہے، اور صحیح ہے تو صحیح ہے۔ لوگوں پر یہ بات اس لیے واضح کر دی گئی کہ آئندہ وہ ایسی غلطیوں سے بچیں جو پہلے لوگوں نے کیں، اور جن ہستیوں کا جو مقام اللہ نے قرار دیا ہے، اس کو اسی کے مطابق رہنے دیں۔ ورنہ اگر ایک دفعہ اپنے بعض مفروضوں کی بنا پر کسی غلط کو صحیح قرار دے دیا جائے گا تو معیار ہی ختم ہو جائے گا، اور اس بات کی تمیز اُٹھ جائے گی کہ غلط کیا ہے اور صحیح کیا ہے۔! (جاری)۔ (کیسٹ سے تدوین: حفیظ الرحمن احسن)